کمال احمد رضوی کے دو اسٹیج ڈراموں کا تنقیدی مطالعہ

Critical Study of Kamal Ahmed Rizvi's Dramas

ڈاکٹر محمد نوید* / ڈاکٹر یاسمین سلطانہ**

Abstract:

Kamal Ahmad Rizvi was a very famous actor and Urdu play writer. He had written many stage dramas. He had used different techniques to make the dramas more interesting. In this article, his two stage dramas were critically studied and tried to find different techniques which he had used in his dramas.

Key Words: Kamal Ahmad Rizvi, Stage Dramas, Critical Study, Play writer

شیشوں کا مسیحا(۷ اپریل ۱۹۶۲ء)

کمال احمد رضوی کا کھیل "شیشوں کا مسیحا" ولیم سمرسٹ ماہم (William Somerset Maugham) کے کھیل "The Sacred Flame" کا آزاد ترجمہ ہے۔ سمرسٹ ۲۵ جنوری ۱۸۷۴ء کو پیرس میں پیدا ہوا اور ۶ دسمبر ۱۹۶۵ء میں وفات پائی۔ سمرسٹ برطانوی فکشن نگار تھا۔ ۱۹۳۰ء کے زمانے میں سمرسٹ کے ڈراموں، افسانوں اور ناولوں کو اپنے عہد کے دوسرے لکھنے والوں میں ممتاز مقام اور مقبولیت حاصل تھی۔ سمرسٹ ۱۰ سال کا تھا جب اس کے والدین وفات پا گئے۔ اس کی کفالت ان کے چچا نے کی اور اسے ڈاکٹری کی تعلیم دلوائی۔ ۱۹۱۶ء میں برطانوی خفیہ انٹیلی جنس سروس میں بھرتی ہوا اور ۱۹۱۷ء میں سوئٹزرلینڈ اور روس میں کام کیا۔ اس کے بعد بھارت اور جنوبی مشرقی ایشیا کا سفر کیا۔ سمرسٹ کا پہلا ناول "Liza of Lambeth" ۱۸۹۷ء میں شائع ہوا۔ "The Sacred Flame" اس نے ۱۹۲۸ء میں لکھا اور پہلی بار لندن میں ۱۹۲۹ء میں اسٹیج ہوا۔ اس کے بعد

*صدر شعبہ اردو، قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی، گلگت بلتستان

**چیئرپرسن شعبہ اُردو، وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی

۲۴نومبر ۱۹۲۹ء میں اسی کھیل پر فلم بنائی گئی جو یو ایس اے میں ریلیز کی گئی۔ سمرسٹ نے کل ۲۴ کھیل لکھے۔ مذکورہ کھیل اس کا اکیسواں کھیل ہے۔ سمرسٹ کے کھیل کمرشلی بہت مقبول تھے۔ لیکن یہ کھیل اس نے اپنے دیگر کھیلوں سے ہٹ کر لکھا۔ اس کھیل میں اس نے اخلاقیات اور انسانی نفسیات میں گھرے کرداروں کو ایک عجیب داخلی اور خارجی کشمکش کے ساتھ پیش کیا جن کے مکالمات فطری انداز میں لکھے گئے ہیں۔ قول اور فعل کے تضادات کے ساتھ عورت کی مرد سے پاکیزہ محبت اور عورت کی جنسی قوت کو موضوع بنایا ہے۔(۱)

کمال احمد رضوی نے "The Sacred Flame" کا آزاد اُردو جمہ "شیشوں کا مسیحا" کے عنوان سے ۱۹۶۲ء میں کیا۔ جو کمال احمد رضوی کے ہاتھ سے لکھے ہوئے A4 سائز کے ۱۷۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کے ٹائٹل پر لکھا ہے "پاکستان آرٹس کونسل لاہور کی پیش کش۔ مارچ ۱۹۶۲ء۔ کمال احمد رضوی"۔ کمال احمد رضوی پر گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور سے ایم اے (اُردو) کا مقالہ بعنوان "کمال احمد رضوی کی ڈرامہ نگاری" لکھا گیا۔ اس مقالے میں ان کے تقریباً طبع زاد یا ترجمہ شدہ تمام کھیلوں کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اس کھیل کا ذکر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ الحمرا لاہور آرٹس کونسل میں پیش کیے جانے والے ڈراموں کی فہرستوں میں بھی اس کھیل کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ نہ یہ کھیل الحمرا لاہور آرٹس کونسل میں ۱۹۶۲ء کے بعد دوبارہ پیش کیا گیا۔ اس کھیل کے سکرپٹ کی حالت خاصی خستہ ہے۔ لیکن اس کا متن پڑھے جانے کے قابل ہے۔

یہ کھیل اپنی نوعیت کا ایک منفرد کھیل ہے۔ اُس زمانے میں الحمرا لاہور آرٹس کونسل میں پیش کیے جانے والے تجرباتی ڈراموں سے اس کا تعلق ہے۔ اس اخلاقی اور نفسیاتی کھیل میں ڈرامہ نگار نے اخلاقی دیواروں میں جکڑی ہوئی عورت کو آزاد کرتے ہوئے اس کی جنسی ضروریات کو اخلاقیات پر ترجیح دی ہے۔ جیسے بیگم درانی کا خاوند جوانی میں مر گیا اور اخلاقیات کی چادر اوڑھ کر جنسی مسائل سے دوچار رہی۔ لیکن جب اس کا بیٹا اپاہج ہو گیا تو بیگم درانی نے اپنی جوان بہو کے امجد کے ساتھ جنسی تعلقات کو قبول کر لیا کیونکہ وہ چاہتی ہے کہ یہ بھی میری طرح ساری زندگی ان مسائل میں نہ گھری رہے۔ جن کا تجربہ بیگم درانی کو ہوا۔ موضوعاتی حوالے سے یہ کھیل منٹو کے ڈرامے "اس منجدھار میں" سے ملتا جلتا ہے۔

یہ کھیل تین ایکٹ پر مشتمل ہے۔ کھیل کا آغاز غیر محسوس انداز میں ہوتا ہے۔ اس کھیل کی کہانی دو دنوں پر مشتمل ہے۔ کھیل میں داخلی اور خارجی تصادم آہستہ آہستہ اپنے عروج پر پہنچتا ہے۔ شگفتہ اور سہیلہ ایک طرف خارجی تصادم کا شکار ہیں۔ دوسری طرف بیگم درانی جس نے اپنے بیٹے کو زہریلی گولیاں دے کر زندگی سے آزاد کر دیا ہے۔ اپنے داخلی کرب کا شکار ہے۔ شگفتہ اپنے خاوند سے اپاہج خاوند سے بہت پیار کرتی ہے۔ لیکن چونکہ

امجد کے سہیلہ سے جنسی تعلقات ہیں اس لیے وہ بری طرح ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے۔اس طرح کرداروں کا تجسس ناظرین کو جکڑے ہوئے ہے۔

اس کھیل کا سیدھا سادہ پلاٹ یوں ہے۔ مسعود درانی اپنی نئی نویلی دلہن سہیلہ کے ساتھ سفر کے دوران جہاز کے حادثے میں اپاہج ہو جاتا ہے۔اس کی بیوی دو سال سے اس کیخدمت کر رہی ہے۔ مسعود کی یہ محبت کی شادی تھی۔اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ بے پناہ محبت کرتی ہے۔ مسعود کی والدہ بیگم غزالہ درانی نے اپنے گھر میں ایک ڈاکٹر اور ایک نرس شگفتہ، مسعود کے علاج کے لیے مامور کر رکھے ہیں۔ شگفتہ انسانیت کے ناطے مسعود سے پاکیزہ محبت کرتی ہے کہ یہ ایک اپاہج انسان ہے جو کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ اپنی بیوی سے بے پناہ پیار کرتا ہے اور اپنے اپاہج پن کا خیال کیے بغیر وہ ہر وقت سہیلہ کی چھوٹی سی چھوٹی خوشی کا بھی خیال رکھتا ہے۔ شگفتہ، بیگم درانی کو ایک نہایت رحمدل، سلیقہ مند اور دیوی خاتون سمجھتی ہے۔ بیگم درانی کا فیملی فرینڈ میجر وحید ان کے گھر آتا جاتا ہے۔ بیگم درانی کا مخلص دوست ہے اور اس کی بے حد عزت کرتا ہے۔ مسعود کا ایک کزن امجد ڈھاکہ سے ملنے آیا ہے اور یہاں ہی قیام پذیر ہو گیا ہے۔ مسعود اکثر سہیلہ کو امجد کے ساتھ باہر جانے کا کہتا ہے۔ ایک دن سہیلہ اور امجد فلم دیکھنے چلے جاتے ہیں۔ رات کو سہیلہ واپس آتی ہے تو اسے چکر آنے لگتے ہیں۔ مسعود اور اس کی والدہ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حاملہ ہے حالانکہ شادی کے پہلے ہی دن مسعود اپاہج ہو گیا تھا اور شادی کے قابل نہیں رہا تھا۔ مسعود، امجد اور سہیلہ کو اکیلے چھوڑ کر سونے کے لیے چلا جاتا ہے۔

اگلی صبح شگفتہ، مسعود کے کمرے میں جاتی ہے تو اسے مردہ پا کر شور مچاتی ہے۔امجد ڈاکٹر کو لے کر آتا ہے۔ڈاکٹر معائنہ کر کے بتاتا ہے کہ دل کا دورہ پڑنے سے موت واقع ہوئی ہے۔ لیکن نرس اس بات پر یقین نہیں کرتی وہ کہتی ہے کہ رات کو ٹھیک تھا۔ اسے دل کا دورہ نہیں پڑا بلکہ اس کا قتل کیا گیا ہے۔اس دوران میجر وحید بھی آ جاتا ہے۔نرس مسعود کا پوسٹ مارٹم کروانا چاہتی ہے لیکن سب اسے منع کرتے ہیں کہ اس کا کوئی قاتل نہیں ہے۔ شگفتہ بضد ہے کہ اپنے مریض کا اس طرح قتل فراموش نہیں کر سکتی۔ وہ پوسٹ مارٹم کروانا چاہتی ہے تاکہ حقیقت سامنے آئے اور مجرم کو سزا دلوائے۔ شگفتہ کو مسعود کی بیوی پر شبہ ہے اور وہ اس کا اظہار بھی کر دیتی ہے۔ وہ سب کو بتاتی ہے کہ امجد کے ساتھ اس کے جنسی تعلقات ہیں۔ یہ حاملہ ہے۔اس لیے اس نے مسعود کو قتل کر دیا۔ لیکن بیگم درانی سب کو حیران کر دیتی ہے کہ میرے بیٹے نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ جب میں زندگی کا بوجھ نہ اٹھا سکا تو آپ مجھے زندگی سے آزاد کرنے میں میری مدد کریں گی۔ رات کو اس نے مجھے آواز دی اور وعدہ یاد دلایا۔ میں نے اسے وہ خواب آور گولیاں نکال کر دیں جن سے وہ زندگی سے آزاد ہو گیا۔ شگفتہ، بیگم درانی سے سخت نفرت کرتی ہے۔ بیگم

درانی مزید بتاتی ہیں کہ مجھے بہت پہلے سے معلوم ہے کہ امجد کے ساتھ سہیلہ کے جنسی تعلقات ہیں۔ سہیلہ اور امجد سخت شرمندہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد شگفتہ ڈاکٹر مسعود کی طبعی موت کا سرٹیفکیٹ جاری کرنے کی اجازت دے دیتی ہے۔

یہ ایک اخلاقی اور نفسیاتی کھیل ہے۔ ایک ایسا جوان جو اپاہج ہو گیا ہے۔ اس کی جوان بیوی دو سال سے اس کے ساتھ گھر میں بیٹھی ہوئی ہے حالانکہ اسے علم ہے کہ مسعود ازدواجی زندگی کے قابل نہیں اور نہ ہی کبھی ٹھیک ہو گا۔ وہ چاہتی تو مسعود کو چھوڑ کر کسی اور شخص سے شادی کر لیتی لیکن اس کی شرافت اور اخلاقی وقار نے اسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اگرچہ اس کردار کے اپنے جنسی اور نفسیاتی مسائل ہیں۔ وہ ایک غیر مطمئن زندگی گزار رہی ہے۔ ایک طرف اپنے خاوند سے پاکیزہ محبت کرنا اور دوسری طرف گھر کے دوسرے کمرے میں امجد کا بستر گرم کر کے حاملہ ہو جانا۔ یعنی عورت کی جنسی قوت اس ساری اخلاقیات سے بالاتر ہو کر دل میں پاکیزہ محبت رکھتے ہوئے بھی امجد کے ساتھ جنسی تعلقات جوڑ لیتی ہے۔

اس کھیل کا دوسرا کردار بیگم درانی جو یہ جانتی ہے کہ اس کی بہو کے امجد کے ساتھ جنسی تعلقات ہیں۔ اس کے باوجود وہ بہو کو احساس نہیں ہونے دیتی کہ وہ جانتی ہے۔ بہو کو منع کرنے یا اس سے نفرت کرنے کے بجائے اسے بیٹی کی طرح چاہتی ہے۔ اسے ہر جائزہ ناجائزہ کام کی اجازت دے رکھی ہے۔ پھر اپنے بیٹے سے بے پناہ پیار کرنے کے باوجود اسے اپنے ہاتھوں زہر دے کر اسے زندگی کی قید سے آزاد کر دینا۔ یہ کردار بھی ذہنی پیچیدگیوں اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہے۔ جس کے تحت اس کردار میں منافقانہ اخلاقیات پیدا ہوئی ہیں جو حرام کو حلال اور ناجائز کو جائز قرار دینے کی منطق پیش کرتی ہیں کیونکہ اس کردار نے اپنے ماضی میں اپنے خاوند کی وفات کے بعد زندگی کے چالیس سال تنہا گزارے تھے۔ اس دوران بیگم درانی جنسی مسائل سے دوچار ہوئی لیکن اخلاقی حدود کو عبور نہ کر سکی۔ اب جب خود اس کے گھر میں اس کی بہو اسی مشکل کا شکار تھی تو بیگم درانی نے اپنی ذہنی الجھنوں کو حل کرنے کے لیے مصنوعی اخلاقیات کا جال پھیلاتے ہوئے اپنی بہو کے ہر ناجائز عمل سے آنکھ بند کر لی۔ اپنے بیٹے سے کیے ہوئے وعدے کی پاسداری بھی کی یہ ایک اخلاقیات کا ڈھونگ ہے کہ ''وعدہ خلافی نہیں کی'' اور بیٹے کو گولیاں کھلا کر زندگی سے آزاد کر دیا۔ اس کا یہ عمل بھی انتقامی جذبے کے تحت ہوا ہے۔

اس کھیل کا مرکزی کردار مسعود بہت گہرا آدمی ہے۔ پہلے ایکٹ میں اپنی سے بیوی آخری مرتبہ گفتگو کے دوران اس نے لوگوں کی نفسیات کو بڑے جامع انداز میں یوں بیان کیا ہے :

سہیلہ: پھر تم یہ باتیں آج رات کیوں کر رہے ہو۔

مسعود: (مسکرا کر)ضروری تو نہیں کہ انسان ہر وقت ہی دوسروں کو ہنستا ہنساتا رہے۔ خاص کر مجھ جیسا انسان جو ہمیشہ کے لئے اس اپاہج کرسی کے ساتھ بندھ گیا ہو۔ اس لئے اگر کبھی کبھی میری خوش طبعی کا منہ بند ہو جائے تو تمہیں معاف کر دینا چاہیے۔

سہیلہ: دیکھو مسعود! سچ سچ بتاؤ تمہیں کوئی شکایت تو نہیں؟

مسعود: شکایت! ارے نہیں۔ اگر تم میری طرح چوبیس گھنٹے گھر میں بند رہو تو بہت سی دلچسپی کی چیزیں نکل ہی آتی ہیں۔ اپاہج ہونے کے یہی تو فائدے ہیں۔ ہر شخص تمہارا ہمدرد بن جاتا ہے۔ لیکن ان کی ہمدردیوں کا فائدہ اٹھانا غلط ہے۔ لوگ مزاج پرسی کے لئے آتے ہیں لیکن انہیں میرے مزاج سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور ہو بھی کیوں؟ زندگی زندہ دلوں کے لئے ہے۔ مردوں کے لئے تو نہیں۔

سہیلہ: (ذرا گھبرا کر)اوہ مسعود۔۔۔۔

مسعود: ایسے لوگوں کے ساتھ بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ مجھے دیکھنے کے لئے آتے ہیں لیکن اگر میں ان سے اپنے بارے میں باتیں کرنے لگوں تو وہ بور ہونے لگتے ہیں۔ ان سے تو صرف انہی کی باتیں سننی چاہییں۔ پھر دیکھو تم سے ان کی دلچسپی کتنی بڑھ جاتی ہے۔ ان کے سامنے لطیفہ بازی کرو۔ مذاق کرو۔ الٹی سیدھی لوگوں کی نقلیں اتارو۔ وہ خوش ہوتے ہیں اور بس یہی انہیں چاہیے۔(۲)

اس کھیل میں ایک ہی سیٹ استعمال ہوا ہے جو بیگم درانی کے گھر کا ہے۔ بیگم درانی کے ڈرائینگ میں تین دروازے ہیں۔ ایک مرکزی دروازہ جس سے ڈاکٹر اور میجر وحید آتے ہیں۔ دوسرا دروازہ جسے شگفتہ، مسعود کے کمرے میں جانے کے لیے استعمال کرتی ہے۔ تیسرا دروازہ امجد اور سہیلہ اپنے کمروں میں جانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایک متوسط گھرانے کا ڈرائینگ روم ہے۔ جس میں بہت اچھی تزئین و آرائش کی گئی ہے۔

ایسے نفسیاتی اور اخلاقی نوعیت کے سنجیدہ کھیل الحمرا لاہور آرٹس کونسل میں تجرباتی طور پر شروع کے زمانے میں پیش کیے گئے لیکن یہ کھیل روایت نہیں بن سکے کیونکہ یہاں پر ایسے کھیلوں پر فتویٰ جاری ہو جانے کے امکان بھی موجود تھے۔ دوسرا پیش کاروں کے لیے مالی حوالے سے بھی فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ یہاں کے ناظرین اس وقت ایسے سنجیدہ موضوعات کے لیے تیار نہیں تھے۔ ناظرین کی زیادہ تعداد مزاحیہ کھیل پسند کرنے والی تھی۔ بہت کم لوگ تھے جو کالجوں سے وابستہ استاد، طالب علم یا خالص فن ادائیہ کے دلدادہ لوگ تھے۔

الحمرا لاہور آرٹس کونسل کے شروع کے زمانے کی کچھ تصویریں موجود ہیں جن میں دیکھا جا سکتا ہے کہ ناظرین میں خواتین شامل نہیں ہیں۔ صرف مرد حضرات ہی کھیل دیکھنے تشریف لاتے تھے۔ یہ روایت بعد میں بھی برقرار رہی ہے بہت کم خواتین ناظرین میں شامل ہوئیں۔ اس لیے اس تفریح میں صرف مزاحیہ کھیل چل سکے اور یہی کامیاب ہوئے۔ اس کھیل کے بعد کمال احمد رضوی بھی سنجیدہ کھیلوں کو چھوڑ کر مزاحیہ کھیلوں کی طرف آئے۔ ان کے مزاحیہ کھیل کامیابی سے پیش ہوئے اور انہیں مقبولیت ملی۔

دغاباز(۷اپریل ۱۹۶۴ء)

کمال احمد رضوی نے پیر کار لوگولدونی(Pierre Corneille)کے مزاحیہ کھیل "The Liar" کا اُردو ترجمہ "دغاباز" کے نام سے ۱۹۶۴ء میں پیش کیا۔ کارلو گولدونی فرانسیسی ڈرامہ نگار تھا جو ۶ جون ۱۶۰۶ء کو پیدا ہوا اور یکم اکتوبر ۱۶۸۴ء کو پیرس میں وفات پائی۔ کالو گولدونی نے اس کھیل کو پہلی بار فرانسیسی زبان میں لکھ کر ۱۶۴۴ء میں شائع کیا۔ یہ کھیل پہلی بار فرانسیسی زبان میں ۱۶۴۴ء میں سٹیج پر پیش کیا گیا۔ اس کھیل کو بہت پذیرائی ملی۔ اس کو انگریزی میں منتقل کر کے بہت سی تھیٹر کمپنیوں نے پیش کیا۔ انگریزی ترجموں میں Ranjit Bolt کا ترجمہ بہت مقبول ہوا۔ جسے Old VC Theatre نے ۱۹۸۹ء میں سٹیج کیا۔ اس کے بعد David Ives کا تازہ ترین ترجمہ جو The Shakespeare Theatre Company میں ۲۰۱۰ء میں پیش ہوا، اسے بھی بہت شہرت ملی۔(۳)

اس مقالے میں پیش کردہ کمال احمد رضوی کے مطبوعہ کھیل "دغاباز" کی دوسری اشاعت ہے جو مکتبہ میری لائبریری لاہور سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ اس کی پہلی اشاعت اگست ۱۹۶۴ء میں لاہور سے ہوئی تھی۔ اس کھیل کے صفحہ اوّل پر درجہ ذیل عبارت لکھی ہے:

> "یہ کھیل پہلی بار لٹل تھیٹر اور پاکستان آرٹ کونسل لاہور کے اشتراک سے ۷ اپریل ۱۹۶۴ء میں الحمرا کی سٹیج پر پیش کیا گیا۔ (حصہ لینے والوں کے نام یہ ہیں)
> فیروز(کمال احمد رضوی)، حکم دین (سکندر شاہین)، توفیق (ثاقب شیخ)، منشی جی (جمیل بسمل)، عروسہ (ثمیہ ناز)، بلقیس (سعدیہ)، مشتری (عطیہ شرف)، ارشد (سلطان افضل)، حکیم شیروانی (ارشد درانی)، عبدالرؤف ، ڈاک منشی، بیرا اور ٹیکسی ڈرائیور (خالد رانجھا)، لڑکا (ملک)، ارجمند بانو (منور اعجاز)۔"(۴)

کمال احمد رضوی نے اپنے چند احباب کے ساتھ مل کر لاہور میں ۱۹۶۴ء میں "لٹل تھیٹر" کی بنیاد رکھی۔

اس کے تحت سب سے پہلے "صاحب بی بی اور غلام" کے عنوان سے ایک کھیل پیش کیا گیا۔ پھر سکندر شاہین کا ترجمہ کردہ کھیل "بخیل" پیش ہوا۔ اس کے بعد "دغاباز" الحمرا لاہور آرٹس کونسل کے اشتراک سے پیش ہوا۔ جس کی ہدایات انور سجاد نے دی تھیں۔

اس کھیل میں ڈرامہ نگار نے معاشرے کے ایسے کرداروں کو طنز و مزاح میں بے نقاب کیا ہے جو سماج میں منافقت، دوغلہ پن اور جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ جیسا کہ اس کھیل میں فیروز مرکزی کردار دغابازوں کا نمائندہ کردار بن کر سامنے آتا ہے۔

کمال احمد رضوی کا طنز و مزاح سے بھرپور یہ کھیل دو ایکٹ پر مشتمل ہے۔ پہلے ایکٹ کے پہلے منظر میں شام کا وقت ہے۔ پہلے ایکٹ کے دوسرے منظر میں اگلی صبح کا وقت پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے ایکٹ میں پہلا منظر دوپہر کا اور دوسرا منظر شام کا پیش ہوا ہے۔ اس طرح اس کھیل کی کہانی تقریباً ۲۴ گھنٹوں پر مشتمل ہے۔ ڈرامہ نگار نے کرداروں کے جھوٹ بولنے کی عادت کی وجہ سے کھیل میں تصادم کی فضا قائم کی ہے۔ اس کھیل کا مرکزی کردار فیروز تو جھوٹا ہے ہی لیکن دیگر کردار حاجی، حکیم، رفیق، ارشد، حکم دین اور حکیم کی ملازمہ بھی اپنی توفیق کے مطابق جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کے جھوٹ سے کوئی بڑا واقعہ پیش نہیں آتا لیکن یہ کردار داخلی تصادم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ڈرامہ نگار نے خارجی تصادم کو بڑی مہارت سے ابھار کر ایک تجسس پیدا کیا ہے کہ اگلے لمحے کیا ہو گا۔ پورے کھیل میں جگہ جگہ ایسی صورت بھی پیدا کی ہے کہ ابھی فیروز کے جھوٹ پکڑے جائیں گے لیکن یہ سب جھوٹ اختتام پر ہی کھل کر سامنے آتے ہیں۔

اس کھیل کا مختصر پلاٹ یوں ہے کہ پرانے لاہور کی کسی گلی میں ایک ہوٹل ہے۔ ہوٹل کے پاس حاجی عبدالرؤف اور حکیم شیر وانی کے گھر ہیں۔ حاجی عبدالرؤف کا بیٹا فیروز جو کہ بچپن میں اپنی طلاق یافتہ والدہ کے ساتھ ڈھاکہ چلا گیا تھا۔ بیس سال بعد واپس لاہور آیا ہے۔ فیروز کے ساتھ ڈھاکہ سے اس کا ایک ملازم حکم دین بھی آیا ہے۔ لاہور آ کے ان کو پتا چلتا ہے کہ اس کے والد حاجی عبدالرؤف لاہور سے کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ ہوٹل میں قیام کرتے ہیں۔ ہوٹل کے سامنے حکیم شیر وانی کا گھر ہے۔ وہ بھی لاہور سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ حکیم شیر وانی کی دو بیٹیاں عروسہ اور بلقیس اپنے چھجے پر کھڑی ہیں۔ فیروز ان کو دیکھتا ہے تو ان کی طرف لپک جاتا ہے۔ فیروز ان کے ساتھ جھوٹ بولتا ہے اور خود کو نواب بیم ظاہر کرتا ہے۔ فیروز کا نوکر بھی حکیم صاحب کی ملازمہ مشتری سے جھوٹ بولتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ میں نواب کا مددگار ہوں۔

فیروز کا ایک پرانا دوست ارشد جو ڈھاکہ سے لاہور آیا تھا۔ وہ بھی ایک سال سے اسی ہوٹل میں قیام پذیر

ہے۔ ارشد حکیم صاحب کی بیٹی بلقیس کا حکیم صاحب سے رشتہ بھی مانگ چکا ہے لیکن ابھی بات طے نہیں ہوئی۔ فیروز، ارشد سے بھی جھوٹ بولتا ہے کہ کل رات حکیم صاحب کی دونوں بیٹیاں مجھے اپنے گھر لے گئیں اور ساری رات کھانے کھلائے عیش کی۔ ارشد کو یہ بات پسند نہیں آتی وہ ناراض ہو کر چلا جاتا ہے۔

حکیم کے گھر میں ان کا ایک شاگرد توفیق رہتا ہے۔ وہ عروسہ سے پیار کرتا ہے لیکن وہ سامنے نہیں آتا نہ اس سے اظہار کرتا ہے۔ وہ کچھ تحفے عروسہ کو بھجواتا ہے لیکن اپنی شناخت ظاہر نہیں کرتا۔ عروسہ اگلے دن فیروز کو بتاتی ہے کہ یہ گمنام تحفے آئے ہیں۔ فیروز بتاتا ہے کہ میں نے ہی بھجوائے تھے لیکن مناسب نہیں سمجھا کہ اپنی شناخت ظاہر کروں۔

حکیم سفر سے واپسی پر عروسہ کا رشتہ حاجی کے بیٹے فیروز سے طے کر دیتا ہے۔ لیکن جب عروسہ کو پتا چلتا ہے تو وہ انکار کر دیتی ہے۔ اور بتاتی ہے کہ نواب بیم اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ نواب کا نام سن کر حکیم بھی راضی ہو جاتا ہے۔ اس دوران ارشد کی ملاقات حکیم صاحب سے ہوتی ہے تو وہ بتاتا ہے کہ حاجی کے بیٹے فیروز نے کل رات تمہارے گھر میں عروسہ اور بلقیس کے ساتھ کھانے کھائیں ہیں۔ حکیم غصے میں آ کر بیٹیوں سے پوچھتا ہے تو وہ انکار کر دیتی ہیں۔ اب حکیم اور اس کی بیٹیاں ارشد سے سخت ناراض ہوتے ہیں اور اسے برا بھلا کہتے ہیں۔

حاجی ہوٹل سے فیروز کو گھر لے آتا ہے۔ پھر فیروز کو بتاتا ہے کہ میں نے کسی جگہ تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔ فیروز رشتے سے انکار کر دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ کسی لڑکی سے پیار کرتا ہے اور اسی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس دوران حاجی کے نام ڈھاکہ سے ایک لڑکی کی طرف سے بیرنگ خط آتا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ حاجی صاحب آپ کے بیٹے نے مجھ سے شادی کرنے کے چکر میں جہیز کے پیسے لے کر کھا لیے ہیں اور اب تک شادی نہیں کی ہے۔ حاجی کو بہت غصہ آتا ہے۔ فیروز اس بات کو ماننے سے انکار کرتا ہے کہ وہ اس لڑکی کو جانتا ہی نہیں ہے پھر ایک اور بیرنگ خط آتا ہے جس میں ایک سرٹیفکیٹ ہے کہ فیروز کنوارا ہے۔

فیروز ہوٹل میں اپنا سامان لینے کے لیے جاتا ہے۔ تو وہاں حکیم بھی آ جاتا ہے۔ عروسہ کے رشتے کی بات کرتا ہے۔ اس وقت ارشد آ جاتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ جھوٹا شخص کوئی نواب نہیں، یہ تو حاجی کا بیٹا فیروز ہے اور اسی نے مجھے بتایا ہے کہ میں حکیم کے گھر میں گیا تھا۔ حکیم کو بہت غصہ آتا ہے۔ فیروز کے ساتھ جھگڑا کر کے واپس آ جاتا ہے۔ اس دوران حکم دین، فیروز کو اطلاع دیتا ہے کہ ارجمند بانو ڈھاکہ سے لاہور آ گئی ہے۔ وہ کسی بھی وقت یہاں آ سکتی ہے۔ دونوں بھاگ جاتے ہیں۔ ادھر فیروز کا باپ حکیم سے ملتا ہے رشتہ لینے سے انکار کر دیتا ہے۔ حکیم اس کی بے عزتی کرتا ہے۔ پھر فیروز اور حکم دین بھی آتے ہیں۔ حکیم سے معافی مانگتے ہیں۔ فیروز پھر جھوٹ بولتا ہے

اور کہتا ہے کہ میں نے اپنی محبت حاصل کرنے کے لیے جھوٹ بولا مجھے معاف کر دو۔ میرا باپ کسی امیر فیملی میں میری شادی کرنا چاہتا ہے اس لیے میں نے جھوٹ بولا کہ میں شادی شدہ ہوں۔ یہ میرا سرٹیفیکٹ ہے۔ میں کنوارا ہوں۔ اس وقت ارجمند بانو بھی آ جاتی ہے۔ وہ فیروز کو کان سے پکڑ کر لے جاتی ہے۔ حکیم اس جھوٹے کو گالیاں دیتا ہے۔ بلقیس کی شادی ارشد سے اور عروسہ کی شادی رفیق سے طے کر دیتا ہے۔ اس طرح کھیل کا انجام طربیہ ہوتا ہے۔

کمال احمد رضوی کو مزاحیہ کھیل لکھنے میں ملکہ حاصل ہے۔ وہ خود باکمال اداکار ہیں۔ اس لیے ان کے کھیل فنی حوالے سے بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ اس کھیل میں کردار نگاری اور مکالمہ نگاری بہت اعلیٰ ہے۔ کمال احمد رضوی نے اپنے ڈراموں میں ہمیشہ معاشرے کے ایسے کرداروں کو طنز و مزاح میں بے نقاب کیا ہے جو سماج میں منافقت، دوغلہ پن اور جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ ''دغاباز'' کو بھی انھوں نے اس لیے منتخب کیا کہ اس کے اندر ایک ایسے کردار کو پیش کیا گیا ہے جو معاشرے میں ہر شخص سے جھوٹ بولتا ہے اور سادہ دل لوگ اس کے جھوٹ پر یقین بھی کر لیتے ہیں۔

اس کھیل کا مرکزی کردار فیروز ایک موقع پرست، جھوٹا اور دغاباز انسان ہے۔ جو اپنے مفاد کے لیے اپنے دوست ارشد، اپنی محبوب عروسہ اور اپنے باپ حاجی عبدالرؤف سے بے شمار جھوٹ بولتا ہے۔ اس کے جھوٹ کے سبب اس کے باپ کی بے عزتی ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے دوست حکیم سے ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ فیروز اپنی اصلیت کو چھپانے کے لیے جھوٹ پہ جھوٹ بولتا ہے کیونکہ اس کا تعلق نچلے طبقے سے ہے لیکن وہ خود کو اعلیٰ طبقے کا فرد ظاہر کر کے اپنی عزت کروانا چاہتا ہے۔ آخر فیروز کے سب جھوٹ کھل کر سامنے آ جاتے ہیں تو اسے عزت کی بجائے بے عزتی اور نفرت ملتی ہے۔ مثلاً فیروز جس ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔ وہاں اس کی ملاقات اس کے دوست ارشد سے ہوتی ہے جو حکیم کی بیٹی بلقیس کا رشتہ حکیم صاحب سے مانگ چکا ہے۔ فیروز اسے ملتے ہی کس قدر صفائی سے جھوٹ بولتا ہے۔ ذرا مکالمے ملاحظہ کیجیے :

فیروز: تم ان دو بہنوں کو جانتے ہو۔۔۔۔ جو۔۔۔ سامنے والے مکان میں رہتی ہیں؟

ارشد: (اسائیڈ) لیجئے اور سُنے (بلند آواز میں) نہیں نہیں بھئی۔ میں انہیں بالکل نہیں جانتا۔

فیروز: ان میں سے ایک کا نام بلقیس ہے اور دوسری کا عروسہ۔ ان کے باپ حکیم ہیں اور کسی مریض کو دیکھنے باہر گئے ہوئے ہیں۔ بھئی دونوں غضب کی چھوکریاں ہیں اور دونوں کی دونوں بندے پر لٹو ہیں۔

ارشد: کیا کہا۔ دونوں کی دونوں؟

فیروز: دونوں کی دونوں؟

ارشد: مگر یار تم نے کہا کل شام ہی آئے ہو۔

فیروز: ہاں بھئی کل ہی آیا۔ اور جیسے ہی یہاں پہنچا ہوں، دونوں اس سامنے والے چھجے پر کھڑی تھیں۔ انھوں نے دیکھتے ہی مجھے اشارے سے سلام کیا اور اپنے پاس بلایا۔

ارشد: (اسائیڈ) کیا یہ سچ ہو سکتا ہے؟

فیروز: میں نے جا کر ان سے دو ہی باتیں کی تھیں کہ بس مجھ پر مر مٹیں۔

ارشد: دونوں کی دونوں؟

فیروز: ہاں بھئی دونوں کی دونوں یہی تو کمال ہے۔

ارشد: (اسائیڈ) یا خدا میرا خون کھول رہا ہے۔

فیروز: اس کے بعد دونوں زبردستی مجھے گھسیٹ کر اندر لے گئیں۔

ارشد: (اسائیڈ) میں غصہ سے پاگل ہوا جا رہا ہوں۔

فیروز: میں نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ فوراً اس سامنے والے ہوٹل سے شاندار قسم کا کھانا منگوایا اور تمام رات بس کھاتے اور کھیلتے رہے۔۔۔ اور کھیلتے کھاتے رہے۔

ارشد: تم ضرور مذاق کر رہے ۔۔۔۔ بھلا یہ بھی ماننے کی بات ہے ۔۔۔۔۔ دو اچھی بھلی شریف لڑکیاں، اپنے باپ کی غیر موجودگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کسی اجنبی کو اپنے ہاں بلا لیں گی اور اس کے ساتھ رنگ رلیاں منائیں گی۔(۵)

فیروز کا یہ جھوٹ کھیل کے آخر تک اس سے ہزاروں جھوٹ مزید بلواتا ہے اور آخر ذلت و رسوائی اس کا مقدر بنتی ہے۔ڈرامہ نگار نے اس کردار کے ذریعہ ایک اہم پیغام دیا ہے کہ کسی بھی صورت جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔ جھوٹ خواہ مذاق میں کیوں نہ بولا جائے یہ غلط ہے۔ جھوٹ سے انسان نہ صرف دوسروں کی نظروں میں ذلیل و رسوا اور کم تر ہو جاتا ہے بلکہ اپنی نظروں میں بھی انسان گر جاتا ہے جیسے فیروز کے ساتھ ہوا۔ فیروز اگر جھوٹ نہ بولتا تو اس کا رشتہ عروسہ سے طے ہو چکا تھا لیکن اس کے جھوٹ کے سبب اسے عروسہ سے ہاتھ دھونا پڑے۔ کمال احمد رضوی نے اس فیروز کا کردار خود ادا کیا تھا۔ اس کردار کو انھوں نے بہت جامع انداز میں پیش کیا ہے۔

اس کھیل میں زبان و بیان کی خوبیاں بھی موجود ہیں۔ ڈرامہ نگار نے روز مرہ اور محاورات کا بخوبی استعمال کیا ہے۔ اردو زبان کے ساتھ کہیں کہیں پنجابی زبان کے عام بولے جانے والے مانوس الفاظ کا خوبصورتی سے استعمال کیا ہے۔ کرداروں کے چھوٹے چھوٹے خوبصورت مزاحیہ جملوں سے کھیل کو دلچسپ بنایا گیا ہے۔

اس کھیل کا سیٹ کافی دلچسپ ہے۔ اسٹیج پر لاہور کی پرانی آبادی کا ایک حصہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایک گلی کی نکڑ ہے۔ عقب میں ہوٹل دلربا کا پھاٹک نظر آرہا ہے۔ اس کے سامنے فٹ پاتھ پر ایک میز اور کرسیاں بھی لگی ہوئی نظر آرہی ہیں۔ اسٹیج کے دائیں اور بائیں جانب حکیم شیر وانی اور حاجی عبد الرؤف کے مکانات ہیں۔

یہ کھیل فنی اور فکری حوالے سے بہت جاندار ہے۔ اس کھیل میں شامل اداکار بھی اپنا اپنا کردار پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ تھیٹر کا کھیل چونکہ ایک ٹیم ورک ہوتا ہے کہ جس میں سکرپٹ، ہدایت کار، اداکار، سیٹ ڈیزائنر اور بیک سٹیج کام کرنے والے مل کر کھیل کو پیش کرتے ہیں۔ جس زمانے میں یہ کھیل الحمرا لاہور آرٹس کونسل میں پیش کیا گیا ہے۔ اس وقت یہاں تھیٹر کی ایک بھرپور ٹیم تھی، جنہوں نے نہایت محنت اور لگن سے اس کھیل کو پیش کیا۔ کمال احمد رضوی کا یہ ایک ایسا کھیل ہے جس نے الحمرا لاہور آرٹس کونسل کو اُردو سٹیج ڈرامے کی ایک مضبوط روایت بخشی ہے۔

حوالہ جات

1. http://en.wikipedia.org/wiki/W._Somerset_Maugham

۲. رضوی، کمال احمد ، ''شیشیوں کا مسیحا'' ، قلمی مسودہ، مخزونہ :الحمرا، لاہور: آرٹس کونسل لائبریری، مارچ ۱۹۶۲ء ، ص۳۵۔۳۶

3. http://en.wikipedia.org/wiki/Pierre_Corneille

۴. رضوی، کمال احمد، ترجمہ و تہذیب، ''دغاباز''، لاہور: مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۶۹ء، ص اوّل

۵. ایضاً، ص۲۴۔۲۶